سید محمد یونس الحسنی

مسٹر بش کی تقریر اور بین الاقوامی ردّ عمل

امریکی صدر بش نے اپنی حالیہ سالانہ تقریر میں دنیا کے ساٹھ ممالک کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنے ہاں موجود دہشت گردوں کو نکال باہر کریں ورنہ ہمارا عسکری تعاقب جاری رہے گا اور ایسے ممالک کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے غیض بیکراں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ان کی ساری گفتگو دراصل اپنی ان فتوحات ہی کا تذکرہ تھا جو انہوں نے افغان سرزمین پر حاصل کیں۔اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''دنیا میں ہزاروں دہشت گرد آزادانہ گھوم رہے ہیں۔ یہ لوگ متحرک بم ہیں جو کسی بھی وقت کسی بھی جگہ پھٹ سکتے ہیں اسلئے ان کا ہر جگہ تعاقب کیا جائے گا۔شمالی کوریا، ایران اور عراق دہشت گردی کا محور ہیں۔بعض حکومتیں دہشت گردی کے خلاف ہمارا ساتھ نہیں دے رہیں میں انہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے دہشت گردی کے خلاف کارروائی نہ کی تو امریکہ ان کے خلاف ایکشن لے گا۔کم از کم ایک درجن ممالک میں یہ کیمپ موجود ہیں حماس، حزب اللہ، اسلامک جہاد، کالعدم جیش محمد کی صورت میں دور دراز جنگلوں صحراؤں اور بڑے شہروں میں ابھی تک یہ لوگ متحرک ہیں۔''

ان الفاظ کا گہری نظر سے جائزہ لینے سے محسوس ہوتا ہے کہ صدر امریکہ کے منہ سے نکلنے والے یہ کوئی خالی خولی الفاظ نہیں بلکہ کسی بھٹی میں دہکتے ہوئے انگارے ہیں۔گیارہ ستمبر کے حادثے کے بعد پورے افغانستان کی تباہی اور اسلامی حکومت کے خاتمہ پر بھی وہ غضب کے دریائے ناپید کنارے میں غوطے لگا رہے ہیں۔سوویت یونین کے ارتحال کے بعد وہ اپنے آپ کو واحد سپر پاور قرار دیتے ہیں۔ان کی نامسعود خواہش ہے کہ دریافت شدہ دنیا امریکہ کی تابع مہمل ہو جائے۔اپنی اس دیرینہ ناتمام آرزو کی تکمیل کیلئے وہ ایک خاص قسم کی جھنجھلاہٹ کا نخچیر ہو کر رہ گئے ہیں۔اسی ناہنجار کیفیت کے زیر اثر بش سینئر نے اپنے دور صدارت میں عراق کو روند ڈالا تھا اب ان کے بیٹے بش جونیئر نے خونخوار بھیڑیے کے مانند افغانیوں کو بکری کا معصوم بچہ سمجھ کر تاراج کیا جو باپ کے ساتھی ہی اب بھی بیٹے کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔وہ چاہتے ہیں ''ہم جنوں میں بکتے چلے جائیں اور ہمیں روکنے ٹوکنے کی جرأت کرنے والا کوئی نہ ہو۔اس تقریر کو ابھی چند گھنٹے ہوئے تھے کہ عوامی جمہوریہ چین نے انگڑائی لی اور بش کا خوب محاکمہ کیا۔حکومت چین کے ترجمان نے کڑی تنقید کرتے ہوئے اسے بین الاقوامی سفارتی آداب کے بالکل منافی قرار دیا، الفاظ کچھ یوں تھے:

''بین الاقوامی تعلقات میں صدر بش کا یہ بیان سفارتی آداب کے منافی ہے۔چین ممالک کے درمیان

مساوات پر مبنی تعلقات کی حمایت کرتا ہے''

چینی حکومت کے اس ردعمل نے کمزور اقوام کی ڈھارس بندھائی ہے۔عراق اور کوریا نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے۔دونوں حکومتوں نے دوٹوک اعلان کیا ہے کہ:

''امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔دیگر ممالک کی سالمیت کیلئے خطرات پیدا کرنا اس کا شیوہ ہے۔ہم ڈرنے اور جھکنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔امریکہ نے چھیڑ خانی کی تو بھرپور مقابلہ کریں گے''۔

ایران کے روحانی پیشوا نے بھی بش کی طرح پر خوب گرہ لگائی ہے جو ان کے فطری محسوسات کا صحیح عکاس ہے۔انہوں نے امریکہ کو''شیطان کبیر'' کہہ کر اپنے عوام کو ایک بار پھر عظیم احتجاجی مظاہروں کیلئے پکارا۔اب وہاں ہر روز شہر شہر لاکھوں پیرو جواں اکٹھا ہو کر''مرگ بر امریکہ''''مرگ بر اسرائیل'' کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں۔یہ سلسلہ گردشِ لیل ونہار کے ساتھ ساتھ تادمِ تحریر جاری ہے۔روس نے افغان جنگ میں امریکہ کی مدد کر کے اپنی ہزیمت و خفت کا انتقام لیا۔اب صدر پوٹن نے اچانک پینترا بدلا ہے۔انہوں نے امریکی صدر کی تقریر پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:''کسی ایک ملک کو دنیا کے جھگڑے نمٹانے کا حق نہیں دیا جاسکتا۔عراقی حکومت کی افغان سٹائل میں تبدیلی کی کسی بھی کوشش کا ساتھ ہرگز نہیں دیا جائے گا''۔

حکومت جرمنی نے امریکی صدر کے نامعقول رویے پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔اپنے ملک کو اس قضیے سے الگ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:''بش جس راستے پر چل نکلے ہیں، بالآخر اس پر اکیلے ہی رہ جائیں گے''

تاریخ کا حافظہ کمزور نہیں ہوتا۔فرد یا قومی کارکردگی کو یہ اپنے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیتی ہے، پھر موقع محل کی مناسبت سے اس راز کو افشاء بھی کر دیتی ہے جس فرد حکومت یا ریاست کبھی مفتخر ہوتی ہے تو کبھی شرمندگی کے بحرِ قلزم میں ڈوب ڈوب جاتی ہے۔روس، برطانیہ اور جرمنی کا رویہ ماضی قریب کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔مگر یہ اقوام اس پر ندامت بار ہونے کی بجائے نازاں، شاداں و فرحاں ہیں۔ابھی ورق نہیں الٹا کہ انہوں نے زبان بدل ڈالی ہے۔وہ امریکی بھیڑیوں کو مزید چیر پھاڑ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ یہود، ہنود و نصاریٰ کبھی بھی فرزندانِ توحید کے دوست اور بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔اس طرح کے بیانات صرف سیاسی چال یا ڈپلومیسی کے سوا کچھ نہیں۔مثال مشہور ہے''ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے''ان ممالک کے بالکل حسبِ حال ہے۔امریکہ ہو یا برطانیہ، جرمنی ہو یا روس انہیں پوری بھری پڑی دنیا میں صرف بیچارے، ناکارے کرماں مارے مسلمان ہی دہشت گردی کرتے نظر آتے ہیں۔عجیب فلسفہ اور محیر العقول منطق ہے کہ بھان متی کے اس کنبے کو:

☆فلسطین میں یہودی دہشت گرد نظر نہیں آتی۔

☆ کشمیر میں بھارتی فوج وحشت وستم ظریفی کے مناظر دکھائی نہیں دیتے۔

☆ چیچنیا میں خود روسی کی غارت گردی، آنکھ او جھل پہاڑ او جھل کے مترادف ہے۔

☆ بوسنیائی مسلمانوں پر قیامت ڈھائی گئی مگر کسی آنکھ میں نمی نہیں تیری۔

☆ عراق میں لاکھوں بچے پابندیوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ان کے مردہ ضمیروں میں حرکت پیدا نہ ہوئی۔

اسے مسلم عوام کی بدبختی کہئے کہ ان پر ایسے حاکم مسلط ہیں جو نام کے مسلمان اور عملاً فرنگی ہیں۔ ہر معاملے میں وہ اپنے استعماری آقاؤں کی طرف دیکھتے، انہی کی اطاعت کرتے اور ہر آزمائش میں انہی کی مدد کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان میں اتنا دم خم نہیں کہ کرمفرماؤں کی کسی مکروہ واردات پر ان سے ہلکا پھلکا احتجاج ہی کر سکیں۔ افغانستان میں نفاذ اسلام کے عمل اور اس کے ثمرآور اثرات کو ٹونی بلیئر نے تہذیب نو سے متصادم ٹھہرایا اور اس کے خلاف اور اس کے خلاف کارروائی کو تہذیب کی حفاظت کی جنگ قرار دیا۔ بش بھی بلیئر کی طرح ریگن کا چیلا ہے۔ انہوں نے اپنی تراشیدہ یہود لادین، اباحیت پسند تہذیب کو ارفع واعلیٰ قرار دے کر طالبان کو بدترین مخلوق اور تہذیب دشمن کے القابات سے نوازا، گردن زدنی ٹھہرایا، پھر استبدادی پنجوں سے انہیں لہو میں نہلا دیا۔ برطانوی وزیر اعظم کی اس چابک دستی کو فوری طور پر کوئی نہ جان پایا۔ کسی نے اس نکتے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ بعد از خرابیٔ بسیار سمجھ آیا کہ اصلاً ان کی جنگ تہذیب اسلامی کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ کفر کرۂ ارض کے کسی کونے میں بھی نفاذ اسلام کا عمل قطعاً برداشت نہیں کر پاتے۔ ترکی میں فضیلت پارٹی اور الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کے انتخابات میں کلین سویپ انہیں جمہوریت کے منافی لگا اور دونوں ممالک کی افواج کے ذریعے انہیں کچل دیا گیا۔ حالانکہ جمہوری نظریہ کے تحت اکثریت کے فیصلوں کو قبول کرنا چاہیے تھا مگر ان مسلم ممالک میں ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔

وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی گزشتہ چون سالوں سے یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ انتخابات کے ذریعے جو حکومتیں وجود پذیر ہوئیں۔ وہ بالواسطہ طور پر استعمار کی پروردہ ہوتیں تھیں۔ جب کبھی کسی منتخب صدر یا وزیر اعظم نے کئی بات ماننے میں سرمو تامل کیا، اس پر فوج نے بہ لطائف الحیل چڑھائی کردی اور چیف آف آرمی سٹاف نے صدر مملکت کا عہدہ بھی سنبھال لیا۔ اگر کبھی کسی وقت ان کے ضمیر نے کچوکے دیئے اور کوئی حکم بجالانے میں سرتابی کی، اس کے خلاف عوام میں سے فرزختیوں کو خرید کر زبردست تحریک برائے بحالیٔ جمہوریت چلوادی یا کسی حادثے میں اس کا کام تمام کردیا گیا۔ اب کی بار کچھ مختلف انداز سے ملتِ پاکستان کو چاروں شانے چت کردیا گیا۔ کارگل میں ڈرامہ کر کے وزیر اعظم اور آرمی چیف میں اختلاف پیدا کیا پھر آرمی چیف کو بتدریج ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنادیا گیا۔ بل کلنٹن بطور صدر امریکہ انہیں بہ اصرار جمہوریت بحال کرنے کا کہتے رہے حتیٰ کہ وقت ملاقات بھی ان میں کھچاؤ کی کیفیت برقرار رہی

اور مسٹر بل آنکھیں دکھاتے اپنے دیس چلا ئیے، بش نے اسی آمر کو آنکھ کا تارا بنا دیا ہے۔ خیر سے اب تو ہمارا میڈیا بڑے طمطراق سے سناتا ہے کہ ہمارے صدر بین الاقوامی اتحاد کی آنکھوں کا سرور ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ صدر محترم نے بھی ترکی و الجزائر کی افواج کی اتباع میں ننانوے فیصد عوام کی قوی رائے کو فوجی بوٹ سے رگڑ کر مسلم کشی کے ''عظیم الشان'' کام میں انٹرنیشنل بڑوں کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ جو آثارِ صحابہؓ کو سینوں سے لگائے پھرتے تھے۔ جو اپنے ہاں اسلامی نظام کے نفاذ سے امت مسلمہ کو عظمت رفتہ کی یاد دلانا چاہ رہے تھے۔ جنہوں نے بارود کے ہمالیہ افغانستان میں امن وسکون کی فضا قائم کی۔ اس دور میں اکیسویں صدر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر وہ دنیا کو بتا رہے تھے کہ ہم نے جرائم سے پاک معاشرے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ امریکی و یورپی یونین کو ان معصوم لوگوں کی یہ ادائے دلیرانہ، صدائے قلندرانہ اور جلال سکندرانہ پسند نہ آیا۔ وہ صلیب بلند کرتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ عذاب ناک بات تو یہ ہوئی کہ صلیب و ہلال کے اس معرکے کو دہشت گردی کے خلاف امن پرستوں کی جنگ کا نام دے کر مسلمان حکمرانوں سے یہ جبر و اکراہ اس کی تائید کرائی گئی۔ ہمارے صدر ذی وقار بھی اپنی مؤیدین میں تزک واحتشام شامل تھے اور ہیں۔ اب بھی ان کی اور ان کے رفقائے کار کی زبانوں سے طالبان کیلئے کلمۂ خیر نہیں نکلتا۔

تاریخ نے اپنی یادداشت پوری قوت سے اگل دی۔ برصغیر میں انگریز کے خلاف پرچم بغاوت بلند کرنے والے مجاہدین آزادی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی زیر قیادت آخری جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔ وطن عزیز کے طول و عرض میں ان کے مدارس اور مختلف ادارے دینی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ افغانستان کے طالبان بھی انہی عظیم المرتبت اسلاف کی صدائے بازگشت تھے۔ وہ اپنے آزاد ملک میں دین اسلام کی عملداری قائم کرنے میں منہمک تھے۔ پاکستان کے زندہ دل لوگ اپنے دینی قائدین کے اتباع میں ان کے معاون و خیر خواہ تھے۔ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ سلطنت افرنگ نے حضرت شیخ الہندؒ کو دہشت گرد قرار دے کر عبور دریائے شور کی سزا دی تھی۔ اب پاکستان میں ان کے نام لیواؤں اور ان کا پرچم حریت بلند کرنے والوں ہی کو دہشت گرد قرار دے کر ان پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے ہم کس کو خوش کر رہے ہیں؟ کلنٹن نے آج کل ایک مہم شروع کر رکھی ہے کہ مسلمان ممالک اپنے مدارس دینیہ کا نصاب تبدیل کرائیں کہ اس میں عقیدے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ہمارے صدر نے اسی زبان میں نیا نصاب مرتب کرنے کا حکم بھی دیا تھا جس کے تحت وہ تیار کر کے شائع کرا دیا گیا۔ کیا اس طرح چشمۂ ہائے حریت ابلنا بند ہو جائیں گے؟ ہم کب سوچیں گے؟

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دل جلا کے سر عام رکھ دیا